ریاست جموں کشمیر

کی

سالمیّت کو لاحق خطرات

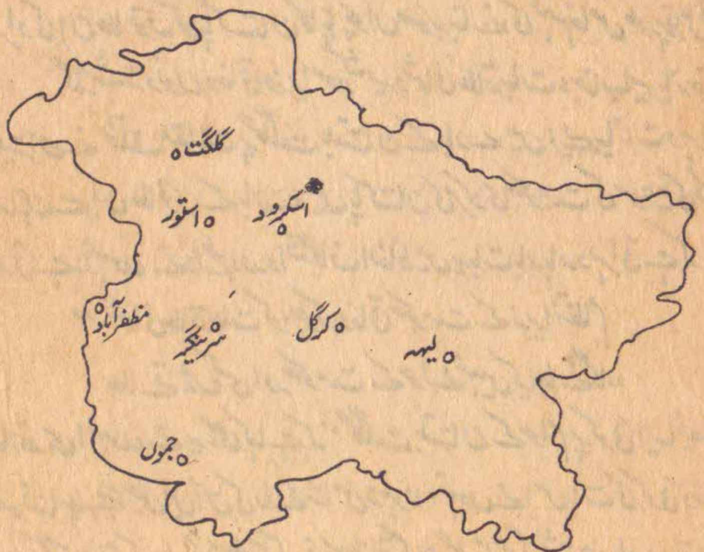

جی۔ایم میر

شائع کردہ

جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ

J. K. NATIONAL LIBERATION FRONT
TEL: 081 459 5299

مقبول احمد بٹ کی زیر قیادت پورے آزاد کشمیر پاکستان اور گلگت میں ہفتہ گلگت بلتستان منا کر اور اس پاداش میں کئی بار گلگت میں گرفتاریاں پیش کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں جھیل کر وہاں کی سیاسی فضا میں چھائے ہوئے گہرے جمود اور تعطل کو توڑنے میں اہم کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں سن ۱۹۷۰ء میں پہلی بار حکومت اِن علاقوں میں لُولی لنگڑی کونسل کے قیام پر مجبور ہو گئی تھی۔ جموں و کشمیر قومی محاذ آزادی نے اب بھی اس مسئلہ کو اپنی ترجیحات میں پہلے نمبر پر رکھا ہوا ہے۔ ہمارے کارکن اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک گلگت بلتستان کو اُس کا تاریخی تشخص واپس نہیں مل جاتا اور یہاں کے عوام کے غصب شدہ حقوق واپس مل کر یہ لوگ جموں و کشمیر کے قومی دھارے میں شامل نہیں ہو جاتے۔

مصنف،	جی۔ایم میر	ناشر،	محمد اسلم مرزا
پرنٹر،	نفیس پرنٹرز	طبع ثانی:	ستمبر ۱۹۹۰ء
تعداد،	ایک ہزار	قیمت،	۲ روپے

ملنے کا پتہ

محمد اسلم مرزا، کشمیر گیٹ محل۔ لعل مارکیٹ، علامہ اقبال روڈ میرپور۔ آزاد کشمیر

ریاست جموں وکشمیر کے سرحدی صوبہ گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کا سوال اِن دنوں پھر نہایت شد ومد کے ساتھ اخبارات میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں حکمران پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے بعض ذمہ دار افراد کی اِن علاقوں کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کی مہم خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

گذشتہ دنوں وفاقی وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات، جناب میر باز خان کھیتران نے مختلف مقامات پر گلگت بلتستان کے بارے میں ایسے بیانات دہرائے ہیں جن سے اِن علاقوں کے بارے میں پاکستان کی مرکزی حکومت کی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہوں نے واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ بات بار بار دہرائی ہے کہ:۔

"شمالی علاقہ جات کو، جو کہ وفاقی حکومت کے زیر انتظام
علاقے ہیں کسی اور حکومت کے حوالے نہیں کیا جائے گا"

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "گلگت بلتستان کے عوام پر کوئی ایسا فیصلہ نہیں ٹھونسنا چاہیئے جس میں اُن کی رائے شامل نہ ہو"۔ انہوں نے اِس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ عوام کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔ تاہم گذشتہ چند ماہ سے وزیر اعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو کے مشیر برائے شمالی علاقہ جات جناب قربان علی، شمالی علاقہ جات کی کونسل اور اضلاعی کونسلوں کے بعض اراکین نیز پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے بعض مفاد پرست عناصر کی طرف سے اِن علاقوں کے مستقبل کے بارے میں جو تجاویز اور بیانات آرہے ہیں۔ اُن سے مترشح ہوتا ہے کہ وفاقی حکومت نے "رائے عامہ" معلوم کرنے کے لئے خاطر خواہ بندوبست کر لیا ہے۔ اور ان علاقوں کے بارے میں دُرون خانہ جو فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ اُسے یہاں کے عوام پر ٹھونسنے کے لئے فضا ہموار کی جارہی ہے۔ اِن بیانات میں ایک

"ان علاقوں کو کسی اور حکومت کے حوالے نہیں کیا جائے گا" وزیر موصوف کے اس بیان میں "کسی اور حکومت" سے تو یوں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے اِن علاقوں کو کسی دشمن کے حوالے کرنے کی تجویز ہو۔ وزیر موصوف نے گلگت بلتستان کے عوام میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ گلگت بلتستان کے آٹھ لاکھ ذی شعور عوام بھیڑ بکریاں نہیں ہیں کہ اُنہیں پکڑ کر کسی کے حوالے کر دیا جائے نہ یہ علاقے کوئی جاگیر ہیں جو ایک جاگیردار سے لے کر دوسرے کو دے دیئے جائیں۔ ان علاقوں کے بارے میں جو تجاویز محب وطن عناصر کی طرف سے پیش کی جاتی رہی ہیں اُن کا لب لباب صرف یہ ہے کہ بھارتی و ڈوگرہ تسلط سے آزاد شدہ دونوں علاقوں یعنی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ملا کر ایک ہی اکائی میں ضم کر دیا جائے اور پھر یہاں کی حکومت یہاں کے عوام کے حوالے کر دی جائے۔ تاکہ وہ جمہوری اقدار سے مستفید ہو کر ان علاقوں کی تعمیر و ترقی کے علاوہ ریاست کے باقی ماندہ علاقوں کو بھارتی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

حرفِ آخر

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ کشمیریوں کو درپیش مسائل میں گلگت بلتستان وہ واحد مسئلہ ہے۔ جس کے بارے میں آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتیں ایک ہی رائے اور ایک ہی مؤقف رکھتی ہیں۔ جہاں تک قومی محاذِ آزادی کا تعلق ہے۔ ہمارے کارکنوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ گذشتہ (۲۴) چوبیس برس کے دوران انہوں نے اپنے گلگتی اور بلتستانی بھائیوں کو اُن کے غصب شدہ حقوق دلانے کے لئے بے پناہ جدوجہد کی ہے۔ اور اِن علاقوں کو اِن کا تشخص اور آئینی شناخت واپس دلانے کی راہ میں بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس جدوجہد کی طویل داستان گذشتہ دو دہائیوں سے زیادہ کے عرصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی تفاصیل دہرانے کا یہ موقع نہیں تاہم اتنا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ آج سے انیس برس قبل ہمارے ساتھیوں نے اپنے عظیم قائد شہید کشمیر

طرف تو اس بات پر زورِ بیان صرف کیا جا رہا ہے کہ یہ علاقے ریاست جموں و کشمیر کا کبھی حصہ نہیں رہے۔ دوسری طرف یہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ اِن علاقوں کا الحاق پاکستان سے ہو چکا ہے اور یہ آئینی طور پر پاکستان کا حصہ بن چکے ہیں۔ اِن تمام بیانات کی تان اس مطالبے پر ٹوٹتی ہے کہ گلگت بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنا دیا جائے۔

تاریخی پس منظر :-

اقوامِ عالم میں سے سوائے اُن چند ممالک کے جو چاروں طرف سے پانی میں گھرے ہوئے ہیں جیسے سری لنکا، ماریشس، مڈغاسکر، کیوبا وغیرہ، دنیا کا کوئی بھی ملک یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ اُس کی جغرافیائی سرحدوں میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کرۂ ارض مسلسل سیاسی تبدیلیوں کے عمل سے گزر تا رہا ہے۔ اور اِس عمل میں ملکوں کی جغرافیائی حُدود بدلتی رہی ہیں۔ اِسی طرح ریاست جموں و کشمیر کی جغرافیائی حدود میں بھی مختلف ادوار میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر:۔

- دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں راجہ دیانند اور راجہ سندیمان کے دورِ حکومت میں کشمیر کی سرحدیں شمال میں کاشغر اور ختن تک اور مغرب میں کابل اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھیں۔
- راج ترنگنی کے نامور مؤرخ کلہن کے مطابق کشمیر کی معروف تاریخ کا آغاز ۲۴۵۰ قبل مسیح میں ہوتا ہے، جب راجہ گونندہ یہاں کا حکمران تھا اُس نے متھرا کے مقام تک اپنی مملکت کو وُسعت دی تھی۔ اُس کے بیٹے دامودر کے زمانے میں گندھارا کشمیر میں شامل تھا۔
- نامور چینی سیاح ہیون تسانگ ۶۲۹ء میں ٹیکسلا آیا، اُن دنوں ٹیکسلا کشمیر راج میں شامل تھا۔
- کشمیر کے ایک حکمران راجہ جسوبن کی مملکت کی حَدود ملتان تک

سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمٰن اور سینیٹر اخوندزادہ بہرہ ور سعید نے خاص طور پر اُن خطرات کی واضح نشان دہی کی ہے۔ جو اِن علاقوں کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ سینیٹر مولانا سمیع الحق نے بھی انہی خطرات کی نشاندہی کی ہے۔

جہاں تک آزاد کشمیر کا تعلق ہے۔ یہاں کی تمام سیاسی و دینی جماعتیں بشمول حکمران جماعت مسلم کانفرنس گلگت بلتستان کے مسئلہ پر متفق الرائے ہیں۔ گزشتہ دنوں وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خاں نے کشمیر ہاؤس اسلام آباد میں تمام سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرنس طلب کی تھی تاکہ گلگت بلتستان کے بارے میں اتفاق رائے سے سفارشات مرتب کر کے حکومت پاکستان کے سامنے پیش کی جا سکیں۔ بیشتر سیاسی جماعتوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی، جو شریک نہیں ہو سکے انہوں نے اپنی سفارشات وزیر اعظم آزاد کشمیر کو تحریری طور پر بھیج دیں، پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے سربراہ سردار محمد ابراہیم خاں کا خط خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں اُنہوں نے اس بات پر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ " اِس بدنصیب علاقے کے لوگ ڈوگروں سے جنگِ آزادی لڑ کر بھی آزاد نہ ہو سکے۔ ڈوگروں سے خلاصی ہوئی تو نوکر شاہی نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔" سردار صاحب نے رائے دی کہ گلگت بلتستان کو پاکستان کا صوبہ بنانے کی تجویز کبھی قبول نہیں کی جانی چاہیئے۔ ایسا کرنا تقسیم کشمیر کے مترادف ہوگا۔"

کچھ عرصہ قبل وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے گلگت بلتستان کے مستقبل کے بارے میں سفارشات تیار کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا تھا۔ وزیر اعظم آزاد کشمیر کو بھی اس کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا تھا۔ اس سے یہ اُمید پیدا ہو چلی تھی کہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سوچ بچار کے بعد کوئی قابل قبول حل تلاش کر لیا جائے گا۔ لیکن ابھی اس کمیٹی کا ایک اجلاس بھی منعقد نہیں ہوا تھا۔ کہ وزیر اعظم صاحبہ کے بعض وزیروں اور مشیروں نے ایسے بیانات جاری کرنے شروع کر دیئے جن سے کمیٹی کی افادیت مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔ خاص طور پر وزیر امور کشمیر اور شمالی علاقہ جات میر باز خاں کھیتران کا یہ بیان، جس کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے، نہایت گمراہ کُن ہے۔ کہ :-

پھیلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب محمد بن قاسم نے ۹۳ھ ہجری (۱۳-۷۱۴ء) میں ملتان فتح کیا تو اُسے ایک خفیہ خزانے کا پتہ بتایا گیا۔ جو کبھی زمانے میں راجہ جسوبن نے ایک مندر کے تہہ خانے میں دفن کر رکھا تھا۔ محمد بن قاسم نے اپنے سالار شعبان ثقفی کی مدد سے یہ خزانہ کھود نکالا۔ تواریخ فتوح البلدان اور چچ نامہ کے مطابق چالیس مٹکوں میں سونا سفوف کی شکل میں برآمد ہوا۔ یہاں سے حاصل ہونے والے سونے کی کل مقدار ۱۳۲۰ من تھی۔ یہ سارا سونا خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں بھیج دیا گیا۔

- مہاراجہ للتادت ۶۹۵ء سے ۷۳۲ء تک حکمران رہا۔ اُس نے اپنی مملکت کو مشرق میں قنوج تک جنوب میں گندھارا اور پرشپور (پشاور) اور شمال میں بخارا اور ترکستان تک وُسعت دی تھی۔
- سلطان شہاب الدین ۱۳۶۰ء سے ۱۳۷۸ء تک حکمران رہا۔ یہ وہی عظیم فاتح ہے جس کے بارے میں حکیم الامت ؒ فرماتے ہیں :۔

عمر ہا گُل رخت بر بست و کشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدین نہ زاد

ہندوستان میں اُس زمانے میں فیروز شاہ تغلق کی حکومت تھی ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ء) میں فیروز شاہ اور شہاب الدین کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رُو سے سرہند تک کے علاقے پر شہاب الدین کی حکمرانی تسلیم کی گئی۔ تاریخ گلزارِ کشمیر کے مطابق۔

"بر لب دریائے ستلج، فیروز شاہ مملکت طرازِ ہند محاربہ پیوست فیروز شاہ چوں سرپنجۂ نبرد آزمائی را قوتِ تقابل نہ دید بہ مصالحت از کشمیر تا سرہند مملکتِ سلطان شہاب الدین مُسلّم شد"

(ترجمہ :۔ ہندوستان کے حکمران فیروز شاہ نے دریائے ستلج کے کنارے (شہاب الدین کے ساتھ) جنگ کی جب فیروز شاہ کو

گیا ہے۔ ایک ابہام اور کنفیوژن کا شکار ہو جائے گی۔ چھمب جوڑیاں سے وادیٔ نیلم کے مقام تا وُبٹ تک تو یہ جنگ بندی لائن یا کنٹرول لائن کہلائے گی۔ لیکن اِس سے آگے قراقرم تک یہ بین الاقوامی سرحد کی شکل اختیار کر جائے گی؟

(ج) مستقبل میں کسی بھی وقت رائے شماری کی صورت میں اِن علاقوں کے آٹھ لاکھ عوام اپنے حق رائے دہی سے محروم ہو جائیں گے۔ جس کے کشمیر اور پاکستان کے مستقبل پر تباہ کُن اثرات ہوں گے۔

(د) کشمیر کے ایک کروڑ عوام کے دلوں میں پاکستان کے لئے اب تک جو خیر سگالی کے جذبات پائے جاتے ہیں اُنہیں شدید دھچکہ لگ جائے گا۔ اور

(س) گلگت بلتستان کے عوام کی اکثریت کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچے گی اَور وہاں کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی ایک خواب بن کر رہ جائے گی۔

اُمید کی کِرن!

اِس سارے قضیئے میں روشنی کی ایک کرن دارالحکومت اسلام آباد کے ایوانِ صدر سے پھوٹی ہے۔ صدرِ مملکت جناب غلام اسحٰق خاں نے یقین دلایا ہے۔ کہ گلگت بلتستان کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس سے کشمیر کے کاز کو نقصان پہنچے۔ صدرِ پاکستان نے یہ یقین دھانی صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خاں کے ایک خط کے جواب میں کرائی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہیں۔ صدر غلام اسحٰق خان نے صدر آزاد کشمیر کا اِس بات پر شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے اپنے خط کے ذریعے بہت سے ایسے معاملات سے آگاہ کیا ہے جن سے وہ پہلے واقف نہ تھے۔

اس ضمن میں پاکستان کے متعدد سیاسی راہنماؤں نے بھی حقیقت شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر کے ساتھ ملا کر یہاں کے عوام کے بنیادی حقوق بحال کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جمعیت العلمائے اسلام کے

نے دورۂ آزاد کشمیر کے دوران مظفرآباد کے مقام پر جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا "کشمیریو کب تک اِس طرح فضا میں لٹکے رہو گے۔ زمین پر قدم رکھو ہمیں بھی یہاں تھوڑی سی زمین دے دو تاکہ ہم گورنر ہاؤس بنائیں۔" لیکن اس تجویز کا ان کے دورے کے اختتام سے پہلے ہی اِس قدر شدید ردِعمل ہوا کہ اُنہیں یہ تجویز بھی واپس لینی پڑی۔

تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔ آج کل پھر وہی صورت حال ہے۔ مرکز میں تو پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہے۔ لیکن چار صوبوں میں سے دو میں حزب اختلاف حکمران ہے۔ آج کی صورت حال ۷۳-۱۹۷۲ء کے مقابلے میں ذرا نازک ہے۔ اُس وقت پیپلز پارٹی کو مرکز کے علاوہ دو صوبوں میں خاصی اکثریت حاصل تھی، اور یہ حکومتیں نسبتاً زیادہ مستحکم تھیں۔ لیکن آج صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ مختلف ہے۔ اِس نازک صورت حال سے نکلنے کے لئے پھر کسی بزرجمہر کو یہ نادر ترکیب سوجھی ہے کہ گلگت بلتستان کو پانچواں صوبہ بنا دیا جائے۔ اس طرح قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اپنے ڈھب کے "نمائندے" منتخب کرا کے دونوں ایوانوں میں پوزیشن مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔ اور عدم اعتماد کا خطرہ ٹل جائے گا۔ اِس کوشش میں ہمارے یہ مہربان اِن نتائج اور عواقب کو سراسر نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ جو اِن علاقوں کو پاکستان کا صوبہ بنانے کی صورت میں رونما ہوں گے۔ مثلاً:-

(الف) ریاست جموں و کشمیر کی وحدت و سالمیت پر کاری ضرب لگ جائے گی اور کل کو بھارت کے لئے مقبوضہ کشمیر کے مزید ٹکڑے کر کے جموں کے ہندو اکثریتی علاقہ کو ہماچل پردیش میں شامل کرنے اور لداخ کے بدھ اکثریتی علاقہ کو براہ راست مرکز کے کنٹرول میں دینے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ جس کیلئے بھارت وہاں پہلے ہی تُلا بیٹھا ہے اور بہانے کی تلاش میں ہے۔

(ب) ۱۹۴۹ء کے متارکۂ جنگ کے سمجھوتے کے نتیجے میں وجود میں آنے والی جنگ بندی لائن، جسے شملہ معاہدہ کے تحت لائن آف کنٹرول کا نام دیا

مقابلہ کی طاقت نظر نہ آئی۔ تو اُس نے مصالحت کی راہ اختیار کی۔ اور کشمیر سے سرہند تک سلطان شہاب الدین کی حکمرانی تسلیم کی)

• شہاب الدین کے بعد سلطان زین العابدین (بڈشاہ) کے دورِ حکومت میں کشمیر کی سرحدیں مشرق، مغرب، جنوب اور شمال میں دُور دُور تک پھیلی رہیں۔ لارنس "ویلی آف کشمیر" میں لکھتا ہے کہ پشاور سے سرہند تک بڈشاہ کی حکومت قائم تھی۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں لکھا ہے۔ کہ زین العابدین سندھ تک جا پہنچا تھا۔

• انیسویں 19 صدی میں ۱۸۴۹ء تک ہزارہ کا وسیع و عریض علاقہ کشمیر میں شامل تھا۔ مشرق میں دریائے راوی کے پار چمبہ، کلو اور کانگڑہ کے علاقے بھی ریاست میں شامل تھے۔ لیکن ۱۸۴۹ء میں ایک معاہدے کے تحت گلاب سنگھ نے یہ علاقے انگریزوں کی عملداری میں دے دیئے۔ اس کے بعد برار کوٹ کی سرحد مقرر کی گئی۔

حاصل کلام یہ کہ صدیوں پر پھیلے ہوئے اِن تمام ادوار میں گلگت بلتستان کے علاقے کشمیر کی وحدت کا ایک حصہ رہے ہیں۔ ماسوائے اُن مختصر وقفوں کے جب سری نگر کی مرکزی حکومت کے کمزور پڑ جانے پر بعض مقامی سرداروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس طرح تو تاریخ کے مختلف ادوار میں جموں کشمیر کے کئی دوسرے علاقوں مثلاً راجوری، مظفرآباد، لوہارا (پونچھ) جموں، کشتواڑ اور بھمبر وغیرہ میں بھی وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی "خود مختار" ریاستیں وجود میں آتی رہی ہیں۔ کیا اس طرح ان "ریاستوں" کے کشمیر کی اکائی سے خارج ہونے کا کوئی جواز پیدا ہوتا ہے؟

تقسیم برصغیر کے وقت کیا صورت حال تھی؟

اُوپر دیئے گئے تاریخی حوالوں سے محض یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ گلگت

بلتستان کے علاقے صدیوں سے مختلف حکمرانوں کے تحت اُس ریاست یا مملکت کا حصّہ رہے ہیں جو دنیا میں "کشمیر" یا "جموں وکشمیر" کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ تاریخ میں کہیں بھی اِس قسم کی شہادت نہیں ملتی کہ یہ علاقے کشمیر کے علاوہ کسی اور مملکت کے حصّے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ دورِ غلامی میں بھی یعنی ۱۵۸۶ء کے بعد جب مغلوں کا کشمیر پر قبضہ ہوگیا اور پوری ریاست اپنی آزادی وخودمختاری کھو بیٹھی تو یہ علاقے بھی ریاست کے دوسرے علاقوں کی طرح پہلے مغلوں اور اُس کے بعد افغانوں، سکھوں اور آخر میں ڈوگرہ حکمرانوں کے زیر تسلط رہے۔ یہ صورت حال ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء تک برقرار رہی۔

چنانچہ موجودہ دور میں گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کی بنیاد اور اس کی اصولی، اخلاقی اور سیاسی اساس صرف اور صرف یہ حقیقت قرار پائے گی۔ کہ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم برصغیر کے وقت صورت حال کیا تھی۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اور لکھا جارہا ہے۔ مختصراً یہ عرض کردینا کافی ہوگا کہ:

(ا) ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں کشمیر ۸۴۴۷۱ مربع میل رقبہ پر قائم تھی۔ جس میں سے دو جنوبی صوبہ جات یعنی صوبہ جموں اور صوبہ کشمیر کا کل رقبہ ۲۰۹۱۷ میل تھا جبکہ بقیہ ۶۳۵۵۴ مربع میل رقبہ پر سرحدی صوبہ لداخ بلتستان وگلگت پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سے لداخ کا وسیع علاقہ اب بھی بھارت کے قبضہ میں ہے جس کا رقبہ ۳۵ ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ جبکہ بقیہ ۲۸ ہزار مربع میل کا گلگت بلتستان کا علاقہ ۴۸-۱۹۴۷ء کی عوامی مسلح جنگ کے نتیجہ میں آزاد ہوچکا ہے۔ جموں اور کشمیر کے صوبوں میں سے صرف ۵ ہزار مربع میل علاقہ آزاد ہوسکا ہے۔ جو "آزاد کشمیر" کہلاتا ہے۔ بقیہ علاقہ بھارت کے زیر تسلط ہے۔

(ب) ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کی آبادی چالیس لاکھ کے قریب تھی۔ جس میں سرحدی صوبہ لداخ وگلگت وغیرہ کے ۳۱۱۴۲۸ نفوس شامل تھے۔ اب ریاست کی آبادی بڑھ کر ایک کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔

لگایا گیا تھا۔ اور اس مقصد کے لئے شمالی علاقوں کو زون ای (E) بنایا گیا تھا۔ آئین میں آٹھویں ترمیم کو آئینی تحفظ دیا جاچکا ہے۔ اس طرح اب شمالی علاقے پاکستان کا حصّہ ہیں۔" گے

برین عقل و دانش بباید گریست

محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ دستور پاکستان کی رسوائے زمانہ آٹھویں ترمیم کے خاتمہ کے لئے کیا کیا جتن کررہی ہیں (جس کے ذریعہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے تمام غیر آئینی اقدامات کو تحفظ دلایا تھا) اور محترمہ وزیراعظم کے ایک لائق وفائق مشیر صاحب اس ترمیم کو بیساکھی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر وزیراعظم صاحبہ نے اپنے گرد اسی قبیل کے مشیروں کو جمع کررکھا ہے تو اُن پر اللہ ہی رحم کرے۔

پانچواں صوبہ بنانے کا پس منظر

گلگت بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کا شوشہ ایک بار پہلے بھی چھوڑا گیا تھا۔ یہ ۱۹۷۳ء کا ذکر ہے۔ اس وقت بھی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ لیکن وفاق کے چار صوبوں میں سے صرف دو میں یعنی پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم تھی۔ جبکہ بقیہ دو صوبوں سرحد اور بلوچستان میں حزب اختلاف کی جماعتوں نیپ اور جمعیت العلماء اسلام کی حکومتیں قائم تھیں۔ چونکہ ایوان بالا یعنی سینیٹ میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے پارلیمنٹ میں اپنا پلڑا بھاری بنانے کے لئے کسی مشیر نے بھٹو مرحوم کو یہ مشورہ دیا کہ گلگت بلتستان کو اگر صوبہ بنادیا جائے تو نہ صرف سینٹ میں اپنی مرضی کے نمائندے منتخب کرائے جاسکتے ہیں بلکہ قومی اسمبلی میں بھی تناسب میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ لیکن جونہی یہ تجویز سامنے آئی گلگت کے اندر اور باہر اس کی شدید مخالفت ہوئی چنانچہ اسے ترک کردیا گیا۔

بعد ازاں بھٹو صاحب مرحوم نے یہی نسخہ آزاد کشمیر میں آزمانا چاہا انہوں

کے دوران خصوصی عدالت نے جس کے سربراہ پاکستان کے سابق چیف جسٹس چوہدری یعقوب علی تھے، اُس وقت کے اٹارنی جزل پاکستان جناب یحییٰ بختیار کو جو حسنِ اتفاق سے آج کل بھی پاکستان کے اٹارنی جزل ہیں، گلگت بلتستان کے بارے میں حکومت کا نکتہ نظر پیش کرنے کے لئے عدالت میں طلب کیا۔ ۲۰ نومبر ۱۹۷۲ء کو جناب یحییٰ بختیار نے فاضل عدالت سے خطاب کرتے ہوتے واضح الفاظ میں اظہار کیا۔

" گلگت بلتستان کو پاکستان میں مدغم کرنے کے بارے
میں کوئی نوٹیفیکیشن (NOTIFICATION) یا الحاق
کی کوئی دستاویز موجود نہیں ہے۔"

انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اگر کشمیری ان علاقوں کو آزاد کشمیر میں شامل کرنے کا مطالبہ کریں، تو یہ کسی جُرم کی تعریف میں نہیں آتا۔

(روزنامہ امروز۔ لاہور ۱۹۷۲ء)

قربان علی صاحب نے ایک انکشاف یہ بھی کیا ہے، کہ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۳، اکتوبر ۱۹۷۳ء کو کابینہ کے اجلاس میں شمالی علاقوں کو آزاد کشمیر میں مدغم نہ کرنے کا فیصلہ دیا تھا — اس کے بعد قربان علی صاحب نے یہ دھمکی بھی دی ہے، کہ " اب کوئی مائی کا لال قائد اعظم محمد علی جناح اور بھٹو مرحوم کے فیصلے کو نہیں بدل سکتا "

قربان علی صاحب کے اِن انکشافات اور ارشادات پر کوئی تبصرہ کرنا تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں، البتہ قابل ذکر اور دلچسپ بات یہ ہے کہ غالباً خود قربان علی صاحب کو بھی قائد اعظم کی " توثیق " اور بھٹو مرحوم کے " فیصلہ " سے تسلی نہیں ہوئی اس لئے اُنہیں پاکستان کے سابق فوجی حکمران جزل ضیاءالحق مرحوم کے ایک سراسر غیر آئینی اقدام کا سہارا لینا پڑا ہے۔ فرماتے ہیں :-

" ۵، جولائی ۷۷ء کے مارشل لاء حکم نمبر ۳ کے تحت تمام پاکستان پر مارشل لاء

چنانچہ جب ایک کروڑ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی بات ہوتی ہے۔ اس میں گلگت بلتستان کے آٹھ لاکھ عوام شامل ہوتے ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اقوام متحدہ کی دستاویزات کے مطابق ریاست جموں وکشمیر دنیا کے ان ۴۳ ممالک میں شامل ہے۔ جہاں کے عوام کو ابھی حق خود اختیاری کا استعمال کرنا ہے۔

(ج) ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف ۱۹۴۷ء میں جو تحریک مزاحمت شروع ہوئی اُس کا دائرہ میرپور، پونچھ اور مظفر آباد کے اضلاع سے گلگت اور بلتستان تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اسی جدوجہد کے نتیجے میں ۱۹۴۸ء کے آخر تک وہ ۳۲ ہزار مربع میل علاقہ آزاد ہو چکا تھا۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ گلگت اور بلتستان میں اِس جدوجہد آزادی کی کمان گلگت کے مایہ ناز مجاہد کرنل حسین خاں کے علاوہ کرنل شیر علی خان اور کرنل عبدالعزیز کے ہاتھ میں تھی۔ مؤخرالذکر دونوں حضرات موجودہ آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے۔

(د) اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں جتنی بحث ہوتی رہی ہے۔ اور جتنی قراردادیں منظور ہوئی ہیں۔ اُن کا اطلاق پوری ریاست جموں وکشمیر پر ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی مخصوص یا محدود علاقے پر۔ ۱۹۵۱ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ایک آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی تجویز سامنے آئی تو محب وطن کشمیریوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ کیونکہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا، کہ بھارت اس نام نہاد اسمبلی سے الحاق کی توثیق کی کوشش کرے گا۔ آخر یہ معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی نوٹس میں آیا۔ سلامتی کونسل نے ۳۰، مارچ ۱۹۵۱ء کو ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا۔

" آل جموں کشمیر نیشنل کانفرنس کی تجویز کردہ آئین ساز اسمبلی کی کوئی سفارش یا کوئی فیصلہ ریاست جموں وکشمیر یا اس کے کسی حصے کے مستقبل کے تعین کرنے کے بارے میں قطعاً مؤثر نہیں ہوگا۔"

اقوام متحدہ کے جو نمائندے برصغیر کا دورہ کرتے رہے ہیں وہ دیگر علاقوں کے علاوہ گلگت بھی جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں اقوام متحدہ کے

کمیشن برائے ہند و پاکستان (UNCIP) کی ایک سب کمیٹی نے اس سلسلے میں گلگت کا دورہ کیا تھا۔ جس کا گلگت پہنچنے پر نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا تھا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کی کئی کئی گھنٹوں کی طویل تقاریر کا متن اقوام متحدہ کے ریکارڈ پر محفوظ ہے۔ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں حکومت پاکستان کے موقف کی اساس ہی یہ ناقابل تردید حقیقت رہی ہے۔ کہ کٹھوعہ سے خنجراب اور کوہالہ سے قراقرم تک پھیلی ہوئی ۸۴۴۷۱ مربع میل پر مشتمل ریاست جموں و کشمیر ایک سیاسی اکائی ہے اور اس کے مستقبل کا فیصلہ یہاں کے عوام کی آزادانہ رائے سے ہونا ہے۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے :-

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے۔ آج کل گلگت بلتستان کے عوام کے بعض خود ساختہ لیڈر اور مفاد پرست عناصر پاکستان کے بعض کوتاہ اندیش حلقوں کی شہہ پر اِن علاقوں کے بارے میں تمام تاریخی، جغرافیائی، آئینی، اور سیاسی حقیقتوں کو ملیامیٹ کرنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں اُور موجودہ حکومت کے کسی متوقع اقدام کو جواز مہیا کرنے کے لئے تابڑ توڑ بیانات اور مضامین کے ذریعے "رائے عامہ" کو ہموار کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ حضرات اس سلسلے میں نہایت مضحکہ خیز دعوے کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہے وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کے ایک مشیر شہیر قربان علی صاحب نے اپنی ذاتی معلومات کے بحرِ ذخار میں غوطہ لگا کر بعض اچھوتی اطلاعات بہم پہنچائی ہیں موصوف فرماتے ہیں !۔

"قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی شمالی علاقوں کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی توثیق کی تھی"!

(روزنامہ جنگ ۷ جون ۸۹ء)

امر واقعہ یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح قیام پاکستان کے صرف تیرہ ماہ بعد ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو رحلت فرما گئے تھے۔ جبکہ ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں بشمول گلگت، سکردو وغیرہ بھارتی اور ڈوگرہ افواج کے خلاف عوام کی مسلح جدوجہد آزادی جاری تھی۔ یہ جنگ ۱۹۴۷ء میں شروع ہو کر ۱۹۴۸ء کا سارا سال جاری رہی۔ اِسی دوران آزاد کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ جس کے صدر سردار محمد ابراہیم خاں تھے۔ گلگت کی عبوری انتظامیہ نے آزاد کشمیر حکومت سے اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا تھا (پاکستان ٹائمز ۲ نومبر ۴۷ء)

کشمیر میں اقوام متحدہ کی کوششوں سے جنگ بندی کا سمجھوتہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو یعنی قائداعظم کی وفات کے چار ماہ بعد نافذ العمل ہوا۔ اس کے بعد حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کے مابین وہ معاہدہ عمل میں آیا۔ جس کی رُو سے بعض وقتی دشواریوں کی بنا پر گلگت بلتستان کے علاقوں کا انتظامی کنٹرول حکومتِ پاکستان کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اس معاہدے پر حکومت آزاد کشمیر کی طرف سے سردار محمد ابراہیم خاں اور قائد کشمیر چوہدری غلام عباس مرحوم نے دستخط کئے۔ جبکہ حکومت پاکستان کی طرف سے وزیر بے محکمہ نواب مشتاق احمد خان گورمانی نے دستخط کئے۔ اب اگر قربان علی صاحب اس عارضی سمجھوتہ کو "الحاق" کا نام دیتے ہیں جو کہ قائداعظم کی رحلت کے کئی ماہ بعد طے پایا تھا۔ تو اس کی توثیق قائداعظم نے کہاں سے فرمائی تھی؟ یہ بات بھی تعجب انگیز ہے۔ کہ الحاق کی یہ توثیق پاکستان کی تمام حکومتوں سے بھی آج تک پوشیدہ رہی ہے۔ کیونکہ ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خاں مرحوم کے دور میں جب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی سمجھوتہ طے پایا تو اس سمجھوتہ اور اس کے تحت مرتب کئے گئے نقشہ جات میں گلگت بلتستان کو ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ظاہر کرتے ہوئے یہ شق رکھی گئی کہ مسئلہ کشمیر کے حتمی فیصلہ کے بعد اس علاقہ کی مقتدر حکومت کے ساتھ یہ مسئلہ پھر اٹھایا جائے گا۔ اور پھر ایک حتمی سرحدی معاہدہ عمل میں لایا جائے گا۔

اسکے بعد پیپلز پارٹی کے سابقہ دورِ حکومت میں گنگا ہائی جیکنگ کیس کی سماعت